دکھائی دیتے تھے جیسے پانی کم ہو تو ٹاپو اُبھرتے ہیں۔ وُہ کہیں دیکھتا نہ تھا بس پلانگیں بھرتا چلتا جاتا تھا ۔ اُس کی ٹانگیں سیدھی شاخوں ایسی پتلی دُبلی تھیں اور پنڈلیوں پر پیپل کے پتّوں ایسی سیاہ رگیں پُھولی ہوئی تھیں ۔۔۔ وہ دو برس ہوئے گیا تھا اور پاروشنی ان دنوں میں بانجھ عورتوں کے رُکھ کے پاس سے جب بھی گزری تو آسے پاسے دیکھ کر اپنی چھاتیوں پر ہاتھ پھیرا اور پھر سیاہ لنگی میں ڈال کر اپنے بیچ پر رکھ دیا اور وہاں گرمی ہوتی تھی ۔ رُکھوں کے اندر موجود حبس اور سیلی گرمی سے کہیں زیادہ اور اُس کے پنڈے کے اِس حصّے نے ہمیشہ یہ بتایا کہ اُسے کبھی اِس رُکھ کے ساتھ لپٹنے یا دھاگے باندھنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اب وُہ اُس کے ساتھ چل رہا تھا ۔۔۔ جس کے خیال سے اُس کے بیچ میں نم تھر تھراہٹ ہوتی تھی ۔۔۔ پر وُہ اُس کے ساتھ ساتھ تو چل رہا تھا۔۔ اور اُسے کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا ۔ کیا سچ مچ وہی ہے یا کوئی یکشنا ہے جو کسی رُکھ کا سانس ہے جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے ۔ وہ اُسے دیکھتی رہی جواب لاپرواہ ہو کر چلتا تھا اور جب وُہ ادھر سے گیا تھا تو پرواہ کرتا تھا ۔۔ پر اب اُس کے اور پاروشنی کے بیچ دو برس تھے اور اُن کے دن رات تھے اور ایسی رُتیں تھیں جو ریت اور رُکھوں کے پار کہیں تھیں اور ایسی ندیاں تھیں جنہیں اُس نے پار کیا اور وُہ گیا اور ہر ندی کی اپنی رُوح اور جان ہوتی ہے۔ کیا پتہ کونسی ندی میں سے تیرتا وُہ بدلا اور ورچن سے کچھ اور ہوا ۔۔۔ کیسی بُو باس اُس نے کہیں سُونگھی اور وُہ پاروشنی کے پنڈے کی باس کو بُھولا ۔۔۔ کیا پتہ ! وُہ اُس کے آگے آگے چلتا تھا اور وُہ اُسے دیکھتی تھی تب وُہ یکدم رُکا جُھکا اور پھر سیدھا ہو کر کہنے لگا "بھینسے کے پیچھے کون کون رُکھوں کے اندر آیا تھا؟"

پاروشنی نے بتایا ۔

"تو پھر یہ گاگری ہے ۔۔۔" وُہ جہاں پہلے جُھکا تھا وہاں بیٹھ گیا اور وہاں گاگری مُنہ بھار پڑی تھی اور اُس کے پنڈے پر مکوڑے چلتے تھے ۔

"یہاں وُہ باس تیرے تتھنوں میں آئی ؟"

ڈور گا نے تتھنے سُکیڑے "کونسی ؟"

"لوگوں کے کُڑھنے کی اور اُن پر ظلم ہونے کی باس جو تُو کہتا تھا کہ پھیلتی ہے اور اُن بستیوں تک بھی جاتی ہے جہاں ایسا نہیں ہوتا !"

دریا میں اُتنا ہی پانی تھا جتنا چیتر کے مہینے میں ہوتا ہے ۔۔ اُس پر ہوا چلنے سے بڑی لہریں نہیں اُٹھتیں ، بس جیسے ریت کروٹیں بدلتی ہے ویسے پانی پہلو بدلتا ہے اور ہموار ہو جاتا ہے ۔۔ اور یُوں چیتر کے مہینے میں گھاگھرا دھیرے دھیرے اپنی موج میں بہتا تھا اور اس کے اوپر پچھلے پہر کی دھوپ آلکس سے لیٹتی تھی اور اونچے کنارے پر بیٹھے وُہ اُسے دیکھتے تھے ۔ اُن دونوں سے پَرے سمرو بیٹھا تھا اور بُھربُھری مٹی کو اُنگلیوں سے کُریدتا تھا ۔۔۔ وہ تینوں بستی سے دُور نکل کے ادھر آئے تھے پکلی کے آوے کی سیدھ میں اور آوے کا دھواں خالی آسمان میں جاتا تھا اور بکھرتا گُم ہوتا تھا ۔

"گھاگھرا سندھو جتنا نہیں ہے ۔۔۔" ڈور گا بولا

"ہماری بستی بھی تو موہنجو جتنی نہیں ہے ۔۔" ورچن مسکرا رہا تھا "جتنے ہم اتنا ہمارا دریا ۔"

"اور یہ کب سے یہاں بہتا ہے ؟"

"کب سے ؟" ورچن نے سمرو کو دیکھا جو اپنے دھیان سے زمین کو انگلیوں سے کریدتا تھا ۔۔۔ "دریا تو شروع سے ہوتا ہے مُڈھ قدیم سے ۔۔۔ جیسے ہم ہوتے ہیں ۔۔۔ ہم کب سے ہوتے ہیں ؟"

"اور یہ آخر تک ہوتا ہے ؟"

"ہاں ۔۔۔"

"پر ہم تو آخر تک نہیں ہوتے پھر دریا ہم جیسا کیسے ہوا؟ ۔۔۔ پر ورچن یہ ہم جیسا ہوتا ہے ، ویارنا کی بستی میں بھی تو دریا آتا تھا جواب نہیں ۔۔۔"

"اُن کا آخر ہو چکا ۔۔۔" ورچن کا دل بیٹھا "وہ ریت میں گُم تب ہوا جب آخر ہو چکا ۔۔۔"

"اور آخر کب ہوتا ہے ؟" ڈورگا نے پُوچھا

ورچن نے اُسے دیکھا کہ ایسے سوالوں کے جواب تو تمہارے بھیجے میں ہیں تم بتاؤ اور ڈورگا نے جان لیا کہ وُہ ایسا کہتا ہے اور بتانے لگا "جب ہزار برس سے لوگ کُڑھتے ہیں اندر ہی اندر ۔۔۔ بوڑھے بچّے عورتیں اور مرد کڑھتے ہیں اور اُن کے مہاندرے عام انسانوں سے الگ ہو جاتے ہیں ۔۔۔ وُہ کچھ جنور اور کچھ انسان بن جاتے ہیں ۔ اُن کا وجود اور شکل وجہ تو انسانوں ایسی ہوتی ہے پر اُن کا اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا جنوروں جیسا ہو جاتا ہے ۔ کسی کے سامنے جاتے ہیں تو اُن کے ہاتھ آپو آپ بندھ جاتے ہیں اور اُنکی آنکھیں بُجھ جاتی ہیں کہ کہیں اُن کی چمک سے وُہ بُرا نہ مان جائے ، ناراض نہ ہو جائے ۔۔۔ اُن کی ساری حیاتی اِسی بھاگ دوڑ میں ختم ہوتی ہے کہ کہیں اُن کا پالن ہار اُن سے ناراض نہ ہو جائے ، وہ کُتّے کی طرح دُم ہلاتے رہتے ہیں ، اپنی تھوتھنی اُس کے قدموں میں رکھتے ہیں اور ٹھڈّے کھاتے ہیں تو ہلکی سی چَوؤں کر کے پھر اُس کے آگے پیچھے لوٹنیاں لگاتے ہیں ۔۔۔"

اور ورچن نے شائد پہلی بار اُس شخص کے مہاندرے اور ناک نقشے کو غور سے دیکھا جو سندھو اور درشدوتی اور رُکھوں اور ریت میں کئی دن اور کئی رات اُس کے پیچھے پیچھے چلا اور پھر اُس کے ساتھ چلا ۔۔۔ تھا تو وُہ اُس جیسا ہی سیاہ پڑتے مٹیالے رنگ کا اور ویسے ہی بالوں کا جو اک دوجے میں یُوں اُلجھے ہوئے تھے جیسے بان کی رسّی بٹی ہوتی ہے ، ہونٹ بھرے بھرے اور موٹے اور جبڑا آگے کو نکلا ہوا ۔ اُس کی منحنی چھاتی پر جو بال تھے وُہ سب سفید ہو چکے تھے ۔۔۔ یہ سب کچھ تو تھا اور ویسا ہی تھا جیسا کہ وُہ خود تھا اور پرے بیٹھا سمرو تھا ، پر ڈورگا کے مہاندرے میں کچھ اور بھی تھا ۔۔۔ جیسے ہرن ڈرا ڈرا ہوتا ہے اور چوکنّا کھڑا ہوتا ہے ، جیسے سانپ زمین کے ساتھ لگ کر تیزی سے آگے سرکتا ہے اور جیسے پکھیرو کا بوٹ آلنے سے گرے تو جہاں گرتا ہے وہیں پڑا رہتا ہے ۔۔۔ وُہ کچھ کچھ رُکھوں والے مامن ماسا جیسا تھا ۔ کچھ انسان اور کچھ کچھ جنور ۔

"مُجھ میں اور تم سب میں یہی فرق ہے ۔۔" ڈورگا پھر بولا "تم نے میرا حصہ نہیں دیا ہوا

کا ، اَن پانی کا اور سُکھ کا ۔۔۔"

"میں نے ؟" ورچن مسکرایا اور جان گیا کہ بوڑھے ڈورگا کے بھیجے پر شاید دُھوپ نے اثر کیا ہے جو یُوں بولتا ہے ۔

"ہاں اور کیا ۔۔۔" ڈورگا کی بُجھی آنکھوں میں شرارت تیرتی تھی "مُجھے ہزار برس ہو گیا ہوا ملے سُکھ ملے تو یہ سب کُچھ تھا تو سہی پر مجھے ملا نہیں ۔۔ تم نے دیا ہی نہیں ۔"

"پر میں تو یہاں تھا اس بستی میں ۔۔۔"

"یہاں میرے کُڑھنے کی باس نہیں پہنچی ؟"

ورچن نے کتّے کی طرح ناک ہوا میں اٹھا کر سانس اندر کھینچی جیسے کچھ سونگھتا ہو اور پھر اُس کے موٹے ہونٹوں میں سے دانت دکھائی دیئے اور وہ زور زور سے ہنسنے لگا ۔ "نہیں ڈورگا یہاں تک تمہاری باس نہیں پہنچی ۔۔۔" پھر وُہ رُکا اور ڈورگا کے قریب ہو کر اُسے نیچے اوپر سُونگھنے لگا جیسے کُتّے سونگھتے ہیں "نہیں نہیں ضرور پہنچی پر باس نہیں بلکہ ۔۔۔ بُو ۔۔۔ تمہارے پنڈے پر جمی مَیل اور گند کی بُو تو پُوری بستی سُونگھتی ہوگی ۔ چل اُٹھ دریا میں ڈبکی لگا اور اپنے آپ کو صاف کر ۔۔۔"

"نہیں ۔۔۔" ڈورگا کھڑا ہوا اور پیچھے ہٹا "ناں ۔۔۔ میں پانی میں نہیں جاؤں گا ۔۔ نہیں ۔ ۔۔ مجھے ڈر آتا ہے ۔۔۔ اُدھر بھٹّے کے اندر ہمیں پانی پینے کو ملتا تھا اُوپر ڈالنے کو نہیں ۔۔۔"

اور اُسی طرح ورچن اور سمرو اُٹھ کر اُس کے گرد ہو گئے "وُہ بھٹّہ تو پیچھے رہ گیا ڈورگا ۔۔ اب اُس کو بُھول ۔۔۔ اور تجھے اگر ہزار سال اپنے حصّے کا پانی نہیں ملا تو یہاں بہت ہے ۔۔ جتنا جی چاہے لے ۔۔۔ تمہاری ہزار سال کی میل دُھل جائے گی ۔۔۔ چل دریا کے اندر"

"ناں ۔۔۔" ڈورگا دونوں ہتھیلیاں آگے کئے اپنے آپ کو بچانے لگا اور پیچھے ہونے لگا ۔۔ تب ان دونوں نے اُس کی کچھوں میں ہاتھ دے کر اُسے آسانی سے اٹھایا اور کھینچتے ہوئے پانی تک لے گئے ۔

"دیکھو دیکھو ۔۔۔ دھیان کرو ۔۔۔" ڈورگا چیخ رہا تھا اُس کی حالت دیکھنے والی تھی ۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ہو "دیکھو میں مر جاؤں گا ۔۔۔ بالکل ڈوب جاؤں گا پُورا کا پُورا ۔۔ دُرشدوتی میں نہیں ڈوبا تو یہاں ڈوب جاؤں گا ۔۔ مر جاؤں گا ۔"

"تم ہزار برس میں نہیں مرے تو اب اتنے سے پانی سے کہاں مرو گے ۔۔۔" وہ دونوں

ہنس ہنس کر دوہرے ہوتے تھے اور اُسے پانی کے اندر لے جاتے تھے ۔۔۔ پھر انہوں نے اُسے دھکیل دیا اور ڈورگا بے اختیار ہو کر دریا میں چلا گیا ۔۔ اُس کا خیال تھا کہ پانی کے اندر جاتے ہی وُہ نیچے جائے گا اور پھر بس نیچے ہی نیچے اور اُس کا کام تمام ہو جائے گا جھٹ پٹ ۔۔۔ پر پانی تو یہاں اُس کے گھٹنوں تک آیا ۔۔ وُہ سہمی ہوئی آنکھیں کھولے تھوک نگلتا اپنے ڈوبنے اور نیچے ہی نیچے جانے کا انتظار کرتا رہا لیکن کچھ بھی نہ ہوا اور سمرو اور ورچن اُسے دیکھ دیکھ کر نڈھال ہوتے رہے ۔۔ تب وہ شرمندہ سا ہو کر کھڑا رہا ۔

"اب اگر باہر آنا چاہو تو آجاؤ ۔۔۔"

لیکن ڈورگا کو پانی اچھا لگا ۔ اُس میں ایسی ٹھنڈک تھی جو جکڑے ہوئے جُثے کو کھولتی تھی اور اور وُہ اُس میں بیٹھ کر اپنے نیم سیاہ پنڈے پر چھینٹے اُڑانے لگا ۔

ورچن نے سمرو کی طرف اب مُنہ کیا "میرے بعد ادھر کیا ہوا؟"

"جو کچھ تم سے پہلے اتنے برسوں میں ہوتا آیا تھا وہی ہوتا رہا ۔۔" وہ پھر زمین کُریدنے لگا "سب لوگ اپنا اپنا کام کاج کرتے رہے ۔ اپنے حصّے کی زمین کھودتے اور بیج ڈالتے رہے ۔۔۔ پھر بڑے پانی اور پھر کٹائی ۔۔۔ کبھی سُکھ کا سانس اور کبھی دُکھ ۔۔۔ بس یونہی ۔۔۔"

"اور کیا ہوا ؟"

"بس یونہی ۔۔۔ میں اپنے منکے مُہریں اور سنگھار کی چیزیں بناتا رہا ۔۔۔ اب یہ ہے کہ موہنجو سے تم میرے لئے جو پتھر اور دھاتیں لائے ہو تو اُن سے برس دو برس اور نکل جائیں گے ۔۔۔ بس یونہی ۔۔ اور میں تمہاری واپسی کی راہ دیکھتا تھا ۔۔"

"تو نے ایسا ہی کرنا تھا ۔۔۔"

"ورچن ۔۔۔ مجھے فکر رہتا ہے"

"تجھے بھی ؟" ورچن کا حیران مہاندرہ اُس کی اور ہوا ۔

"ہاں مجھے بھی ۔۔۔"

"تو تمہیں بھی پتہ چل گیا ہے کہ وُہ آگئے ہیں ۔ پر سمرو وہ ابھی ادھر سے بہت دُور ہیں ۔۔۔ یُوں تو اُن کو آئے ہزار برس ہو گئے پر وہ ادھر نہیں آئے ۔۔۔ وُہ دھیرے دھیرے اُدھر سے نیچے اُترتے ہیں وُہ درشدوتی کے کناروں سے ادھر نہیں آتے ہیں ۔۔۔ ہاں یہ ہے اور یہ سنا ہے کہ اُن کا ایک قبیلہ پورو نام کا گھاگھرا کے دونوں کناروں پر آن ٹھہرا ہے پر یہاں سے دور ۔۔"

حیران مہاندرہ اب سمرو کا ہوا "تو کس کی بات کر رہا ہے ورچن؟"

"اُن کی جو اسوا پر آئے ہیں ۔۔۔"

"میں جانتا تھا ۔ پُورا جانتا تھا ۔۔۔" سمرو نے بار بار سر ہلایا" تو موہنجو میرے لئے نہیں گیا ۔۔۔ نہ میرے پتھروں کے لئے اور نہ ۔۔۔ تو کھوج میں گیا تھا"

"جب سے میں نے یہ جانا کہ اُن کی ایک ٹولی گھاگھرا کے کناروں پر بھی رہتی ہے تو مجھے ۔۔۔ یہ جو پانی ہے ہمارے سامنے اس میں اُن کے پنڈے بھی نہائے ہوں گے اُن کی عورتوں کی چھاتیوں اور ٹانگوں کے بیچ کو لگ کر آتا ہو گا تو مجھے ۔۔۔ میں ۔۔۔" ورچن رُک گیا "لیکن تجھے اِن کا فکر تو نہیں تجھے کسی اور بات کا فکر ہے ۔۔۔"

"ہاں میں نے تو نرا اتنا کہا تھا کہ مجھے فکر رہتا ہے اور تو کہیں کا کہیں چلنے لگا ۔"

"اب بتا دو ۔۔۔"

"میں جب سوتا ہوں تو دیکھتا ہوں ۔۔۔"

"یہ کیا کہتے ہو ؟"

"ہاں جب میں سو جاتا ہوں تو پھر میں دیکھنے لگتا ہوں ۔۔۔"

"تو کون نہیں دیکھتا ۔۔۔ سب لوگ کچھ نہ کچھ کبھی نہ کبھی دیکھتے ہیں ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ پر میں بس پانی ہی کو دیکھتا ہوں ۔ میرے آس پاس اوپر نیچے آنکھوں اور بالوں میں پانی ہے ۔۔ اور میں ڈوبتا ہوں اور ابھرتا ہوں تو اوپر بھی پانی ہے اور میں اُس میں ہاتھ پاؤں مارتا ہوں کہ کہیں میرا سانس نہ ٹوٹ جائے کہیں یہ میرے اندر جا کر مجھے پُھلا نہ دے اور میں ہاتھ پاؤں ایسے مارتا ہوں جیسے میرا آخر ہو اور پھر وُہ پانی نیچے ہونے لگتا ہے ، اُترنے لگتا ہے ۔ نیچے ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ میں جاگ جاتا ہوں اور میرا سارا پنڈا اُکھڑتا ہے جیسے پانی میں سے نکل کر لیٹا ہوں ۔۔ اور پھر میں اٹھتا ہوں اور گھاگھرا پر آجاتا ہوں ۔ ادھر اس اونچے کنارے سے اُتر کر وہاں جاتا ہوں جہاں ڈور گا اس سمے چھینٹے اُڑا رہا ہے اور میں پانی کے اندر چلتا جاتا ہوں اور پانی میرے پنڈے پر چڑھتا جاتا ہے اور جب میری ناک میں جاتا ہے اور مُنہ میں جاتا ہے اور سانس اور پانی مل کر میرے پیٹ میں اتھل پتھل کرتے ہیں تب صرف اُس سمے میں جاگتا ہوں ۔۔۔"

"تم سوتے میں چلتے ہو؟" ورچن میں فکر مندی بہت تھی ۔

"نہیں ۔۔۔ کبھی نہیں ۔۔ ایسا صرف تب ہوتا ہے جب میں پانی کو سوتے میں دیکھتا

ہوں اور پھر ۔۔۔ جب میں جاگتا ہوں تو گھاگھرا میں کھڑا ہوتا ہوں اور پانی میرے مُنہ میں اور گلے میں میرا سانس کم کرتا ہے ۔۔۔ یہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے ورچن ۔۔ تو جانتا ہے تو بول ۔۔"

"دیکھ سمرو ۔۔۔ اگر ایسا ہوتا کہ تو سوتے میں اپنے آپ کو بڑا ہوتا دیکھتا تو جب جاگتا تو تیرے پاس جو کچھ مال اسباب ہے وُہ بھی بڑا ہو جاتا ۔۔۔ اگر سوتے میں تو گائے بھینس کے ساتھ ہو تو اگلا دن تیرے لئے اچھا ہوتا ۔۔ اور جو تو پنکھ پکھیروؤں کو سوتے میں اُڑتے دیکھتا تو جان کہ جو مال اسباب تیرے پاس ہے وُہ بھی اڑ جائے گا ۔ اگر چاند کو چمکتا دیکھے تو سمجھ کہ شِوا اور لنگم تجھے کچھ نہ کہیں گے ۔۔۔"

"پر میں ان میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا ۔ میں تو نرا پانی دیکھتا ہوں تو اس بارے میں بتا کہ اس کا کیا کھوج ہے ؟"

"تُو پانی میں چھلانگ لگاتا ہے اگر سوتے ہوئے تو اس کا تتارا تمہاری حیاتی میں یہ ہو گا کہ تم نے جو کچھ بُرا کیا وُہ پانی سے صاف ہو جائے گا، تیرے گناہ دُھل جائیں گے ۔۔۔"

"میں نے ایسے کونسے گناہ کئے ۔۔۔" سمرو زمین پر کڑواہٹ سے تھوک کر بولا "شِوا اور لنگم مُجھے کُچھ کہنے والے کون ہوتے ہیں ۔۔۔ اور ورچن میں پانی میں چھلانگ نہیں لگاتا میں تو دھیرے دھیرے اُس میں اُترتا جاتا ہوں اور پھر وُہ میرے مُنہ کانوں اور ناک میں چلنے لگ جاتا ہے تو جاگ جاتا ہوں ۔۔۔"

ورچن نے سر ہلایا ۔ "اس بارے میں نہیں جانتا ۔"

"اور یہ سب جو تُو نے مجھے بتایا کہ سوتے میں اگر یہ دیکھیں تو اس کا تتارا یہ ہوتا ہے تو یہ تم نے کہاں سے جانا ؟۔۔۔ موہنجو سے ؟"

"پُورن سے ۔۔۔"

"یہ کون ہے ؟"

"بتاؤں گا ۔۔۔ اور کیا ہوا جب میں ادھر نہ تھا"

"اور کیا ہونا تھا ؟"

"پتہ نہیں پر کُچھ نہ کُچھ تو ہوا ہو گا ۔۔۔"

سمرو زمین کُرید تا رُکا ۔۔۔ "یہ دیکھو ورچن ۔۔۔"

"کیا ہے ؟"

"یہ دیکھو ۔۔۔" اُس نے مٹّی میں سے ایک ٹھیکری کھینچ کر نکالی "اس پر وُہی بیل بُوٹے ہیں جو پکلی اُلیکتی ہے ۔۔۔"

"پکلی کے آوے کے کسی برتن کی ٹھیکری ہے ؟"

"ناں ۔۔۔ یہ پہلے کی ہے ۔۔ یہاں پہلے کوئی اور تھا، کوئی اور پکلی تھی جو گیلے برتنوں پر بُوٹے اُلیکتی تھی ۔"

"ہماری بستی سے پہلے ؟" ورچن نے ٹھیکری ہاتھ میں لے کر اُس پر پھونک ماری تو دھول کے نیچے وہی بیل بُوٹے تھے ۔۔۔ پر آج کے نہ تھے "نہیں ہماری بستی سے پہلے کوئی اور بستی نہیں تھی ۔۔" اُس نے بازو گھما کر ٹھیکری کو گھاگھرا کے پانی پر پھینکا اور وُہ پانی کے کسی پکھیرو کی طرح اُس پر دُور تک پُھدکتی گئی اور جہاں چھوتی وہاں دائرے بنتے اور بڑے ہوتے گئے اور پھر وہ ڈور گا کے قریب جاکر رُکی اور تہہ میں بیٹھ گئی ۔۔ "ڈور گا اب آجاؤ ہمارے دریا کو گندا مندا نہیں کرو ۔۔"

ڈور گا ہاتھ اور سر جھٹکتا پانی سے باہر آیا اور پھر اونچے کنارے پر چڑھ کر اُن کے پاس بیٹھا ۔

"میں آدھا رہ گیا ہوں ۔۔" ڈور گا پُورے پیٹ کے ساتھ زور سے ہنسا "میں پاؤں اُٹھاتا ہوں تو جَو کی بالی کی طرح ہلکا لگتا ہے ۔۔۔ اس سے پہلے میں کبھی نہیں نہایا ۔"

"ہزار برس میں پہلی بار ڈور گا ؟" ورچن نے اُسے چھیڑا ۔

"ہاں ۔۔۔" ڈور گا کے ماتھے کی ساوٹیں اونچی ہونے لگیں "ہزار برس میں پہلی بار ۔۔"

"اور کل سویرے تم پھر نہاؤ گے کیونکہ میرا ویاہ ہو گا کل ۔۔۔"

سمرو نے سر اُٹھایا "کس کے ساتھ ؟"

"وہ کہتی تھی اب کر لینا چاہیئے" ۔۔۔

دیئے ٹمٹماتے تھے اور اُن کی روشنائی پانی کے اوپر دُور تک نہیں جاتی تھی اور جہاں جاکر وُہ بجھتی تھی اور اندھیرا آگے آتا تھا تو بس وہاں مچھلی پکڑنے کو جال ڈالے گئے تھے، سویرے پاروشنی اور ورچن کا ویاہ تھا اس لئے ۔۔۔ بچے کنارے سے اُتر کر پانی میں ہاتھ ڈالے چلتے تھے مچھو پکڑنے کے لئے کہ اُن کا شوربہ بنتا تھا ۔ چیوا نے اُن دو بھیڑوں کو الگ کیا جو سویرے اسے کاٹ کر ویاہ کے لئے لے جانی تھیں ۔

وُہ تینوں اپنے ویہڑے میں بیٹھے ڈھولک بجاتے تھے اور ڈھولک پر مور کے پروں کا چھیل رنگدار ہار پڑا تھا ۔

اور ڈوبو مٹّی کے کنارے پندرُو کھڑا کان ہلاتا تھا کہ اُسے بستی سے ڈھولک کی مدھم آواز ہولے ہولے پہنچتی تھی ۔

اربیلڑی اور سوہنی زنانیاں اپنے آپ کو سنوارتی اور شنگھارتی تھیں کہ سویرے ۔۔۔

پاروشنی ہاتھ پاؤں چوڑے کئے پیٹھ کے بھار فرش پر ویسے ہی لیٹی تھی جیسے جب بھینسا اُس پر تنا کھڑا تھا پر اب پکلی اس پر جُھکی تھی ۔

"دیکھ دیکھ ۔۔۔" پاروشنی کا پنڈا کسمسایا اور وہ اپنی ہنسی مشکل سے روک کر بولی "میرے ماس کو یُوں نہ چُھو اور چھیڑ ۔۔۔"

"آرام سے پڑی رہ چُپ چاپ ۔۔۔" پکلی نے اُسے ڈانٹا "میرا ہاتھ ہلا کر بُوٹے خراب کرتی ہے"

"پر تو بنا کیا رہی ہے پکلی ؟"

پکلی کے ہاتھ میں پیپل کی ٹہنی تھی جس کا سرا چبا کر اُس نے نرم کیا ہوا تھا ۔ اُسے وُہ اپنے رنگ والے کجّے میں ڈبوتی تھی اور پھر پاروشنی کے تنگے پنڈے پر دھیرے دھیرے پھیرتی تھی اور جونہی یہ ٹہنی اُس کے کسی نرم ماس والے حصّے پر چلتی تو پاروشنی کسمساتی اور اُس کی ہنسی

چھوٹنے کو آتی پر وُہ پکلی سے ڈرتی تھی اور ہنسی کو پیٹ میں دبا دبا کر لیٹتی تھی ۔

"میں وُہ سارے بیل بُوٹے تیرے جُتّے پر اُلیک رہی ہوں جو میں اپنی جھاجھروں ، صحنکوں ، ڈولوں ، گھڑوں اور گھڑولیوں پر اُلیکتی ہوں ۔ وہی بیل بُوٹے جن کے بارے میں تو ہمیشہ پُوچھتی ہے کہ پکلی یہ تُو کیسے بناتی ہے، یہ تیرے سر میں کہاں سے آئے، یہ اسی ٹہنی میں ہوتے ہیں کہ تُو جان بُوجھ کر سوچ کر بناتی ہے ۔۔ اب خود دیکھ لے یہ بن رہے ہیں"

"میں کیسے دیکھ لوں ۔۔۔" وہ پھر ہنسی "میں مٹّی پر پڑی ہوں اور تو ہاتھی کی طرح مجھ پر بوجھ کئے بیٹھی ہے اور مجھے ٹہنی سے اُلیکتی ہے ۔۔۔ میں اٹھ سکوں تو دیکھوں"

"تو جب تیار ہو جائے گی تو دُور سے جھجھر لگے گی ۔۔۔"

"جھجھر اور مجھ میں کیا ہے جو ایک ہے ؟"

"تو نیچے سے چوڑی ہے ویسے ہی ۔۔۔ جیسے پھنیر سانپ کا پھن ہوتا ہے ۔۔ اور اس پھن سے تُو اپنا وار کرتی ہے ۔۔ تُو اب ہلنا مت میں تیرے آس پاس بُوٹے بنانے کو ہوں ۔۔۔"

"پر یہاں دیکھے گا کون ؟" اُس کا جُثّہ تھرتھرایا ۔

"جس کے ساتھ تیرا ویاہ ہو گا ۔۔۔"

پاروشنی دھیمی ہو کر مسکرائی اور پکلی اُس کی ٹانگوں کے بیچ بیٹھی سر جھکائے بُوٹے اور بیلیں اور جانے کیا کیا اُلیکتی رہی ۔

سویرے اُس کا ویاہ تھا اور پکلی اُسے سنوارتی تھی جیسے کہ وہ بستی کی ہر لڑکی کو سنوارتی تھی جس کا پہلا ویاہ ہوتا تھا۔ اس سے پہلے اُس نے پاروشنی کے بال دھوئے تھے ، پھر سُکھائے تھے اور پھر صندل کی لکڑی گھِسا کر اُس کی دُھونی اُسکے بالوں میں اسی طرح دُھمائی تھی کہ اب وُہ صندل کی باس دیتے تھے ۔ لکڑی کی چوڑی کنگھی سے انہیں سنوارا گیا تھا ۔ اُس کی آنکھوں میں سُرمے کا لیپ دیا گیا تھا ۔

پکلی اٹھی اور پاروشنی کے سر کے قریب ہو بیٹھی "اب ان پر کیا بناؤں ۔" اُس نے اُس کی بھاری چھاتیوں کو دیکھتے ہوئے سوچا ۔۔ "میرے پاس تو اتنا رنگ بھی نہیں کہ ان کے لئے پُورا پڑ جائے ۔۔۔"

جب پکلی اُس کی چھاتیوں پر جُھکی سانس روکے بیل بُوٹے بناتی تھی تو بھی اس کے تتھنوں کی گرم ہوا اُس کے ماس کو تھرّاتی تھی ۔۔۔ تب وہ سمرو کا سوچنے لگی ۔۔۔ دونوں ایک سے

تھے، وُہ کبھی نہ جان پائی کہ اُن دونوں میں آگے کون ہے اور پیچھے کون ۔۔ کس کے لئے اُس کا پنڈا زیادہ دہکتا ہے اور کون ہے جس کا بیج اُس کے اندر جا کر یُوں ٹھہرے گا جیسے کُنویں میں پتھر گرے تو تہہ میں جا ٹھہرتا ہے ۔ اور پھر کل رُکھوں کے اندر گیلے گلتے پتوں پر پڑی جب وُہ ہانپتی تھی اور برسوں بعد ورچن اُس پر جُھکا تھا تو اُس نے جان لیا تھا کہ وہ سمرو سے آگے ہے ۔۔۔ اُسنے یہ پرواہ نہیں تھی کہ رکھوں کے اندر بھینسے کے پیچھے جاتے وُہ تینوں اُس پر کیوں سانس لینے لگے تھے ۔۔ بستی میں ایسا ہوتا آیا تھا اور ہو جاتا تھا پر اپنی من مرضی سے ایسا ہوتا تھا ۔

"میرا رنگ ختم ہو گیا ہے پر تیرا پنڈا ختم نہیں ہوا ۔۔" پکلی نے جِھلا کر بُوٹے اکیلنے والی ٹہنی پھینکتے ہوئے کہا ۔

"تجھے میرا پتہ تھا تو رنگ زیادہ کیوں نہیں لے کر آئی ۔۔۔" پاروشنی اٹھنے لگی ۔

"نہ ۔۔۔ نہ ۔۔۔ ابھی لیٹی رہ اسی طرح ۔۔ سُوکھنے تو دے ۔۔۔ تجھی کو ایسا سنوارا ہے بستی کی کوئی اور ہوتی تو میں ایک آدھ بُوٹا بنا کر نکال باہر کرتی ۔۔۔ اب اِسے سُوکھنے دے اور پھر پرسوں اگر ورچن میری اور دیکھ دیکھ بار بار مسکرایا تو میں جان لُوں گی کہ تیرے پِنڈے کے بُوٹے اُسے پسند آئے ہیں ۔۔۔ اور یہ جان لے کہ یہ تب اور زیادہ نکھریں گے اور ابھریں گے اور لال ہوں گے ۔۔۔"

"یہ تو مِٹ جائیں گے پرسوں تک ۔۔۔" پاروشنی ہنسی ۔

"تو پھر تجھے بھٹی میں ڈال کر پکادوں ؟" پکلی بھی خوش ہوئی "لے باقی شنگھار تو آپ کرلے ۔۔۔ تھڑے پر سارا کچھ پڑا ہے ناک کا پوپا ، پاؤں کی کڑیاں، موٹے کنگن اور چھلّے، گلے کی ہنسلی اور بازو پر باندھنے کی مُہریں ۔۔۔"

"یہ مُہریں ۔۔۔" پاروشنی پھر ڈوبی ۔۔ یہ سمرو نے جو بنائی تھیں ۔

"میں دھروا کے پاس جاتی ہوں جو چھپر کے باہر بیٹھا ہے اور تو پہن لے سب کچھ پر تو شنگھار کے ساتھ بستی کو کیسے جائے گی ۔ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ میں آپ تیرے پاس آکر شنگھارتی ہوں ۔۔۔"

"لو تم اپنی ٹہنیاں اور رنگ لے کر اتنی دور کہاں آتی ۔۔ میں چلی جاؤں گی ، تو لیٹ جا کر" پکلی چھپّر سے باہر ہوئی تو پاروشنی اُٹھ بیٹھی ۔۔۔

اُس نے آسے پاسے اُن جھجھروں اور ڈولوں کو دیکھا جو دیئے کی روشنی میں دِکھتے تھے کہ

سانس لینے والی چیزیں ہیں ۔۔۔ اور اُس کے اندر پھر سمرو کا خیال آیا ۔۔۔ نہیں ورچن سمرو سے آگے نہیں تھا ۔۔ وہ تو پردیس ہوا تب یوں لگا کہ آگے ہے پر ہے نہیں ۔۔۔

اُس نے ٹھوڑی نیچی کر کے اپنے آپ کو دیکھنے کی کوشش کی تو اُس کا منہ کھل گیا ۔۔۔ وہ تو ایک بڑی چھایا والے رُکھ کی طرح تھی ، اُس پر پتّے تھے ، پھول تھے ۔۔۔ اُس کا سارا جسّہ بیل بُوٹوں سے ڈھکا ہوا تھا اور جو رُکھ اُس پر پھیلتا تھا اُسی کی جڑیں اُس کے جُتّے کے بیچ میں سے پھوٹتی تھیں جہاں پکلی جُھکی تھی ۔۔۔ جہاں اُس کو بھی جُھکنا تھا ۔۔ اُس کا جی نہ چاہا کہ وُہ اپنے اس شنگھار کو ڈھک دے پر اُس نے ڈھک دیا اور تھڑے پر بیٹھ کر پاؤں میں کڑیاں ڈالنے لگی ۔

"می آؤں ۔۔ می آؤں" رُکھوں میں مور بولا۔

اور پاروشنی کے اندر گھنے اندر جہاں نم تاریکی تھی وہاں بھی کُچھ بولا ۔ "می آؤں ۔ می آؤں" اُن دونوں پر پُورا چاند پڑتا تھا اور وُہ رکھوں کے بیچ جھیل کے پاس اُس کلرا ٹھی زمین پر جہاں کبھی جھیل تھی لیٹے تھے اور وُہ وہاں تھے جہاں پرندے مرنے کو آجاتے تھے ۔۔ اُن کے بدنوں تلے پرندوں کی ہڈیاں چُرمُرہوتی تھیں ۔

ورچن پہلی بار ادھر کو آیا تھا اور پاروشنی آتی رہتی تھی ۔ یہ اُس کی مرضی تھی کہ اپنے ویاہ کی رات اِدھر رُکھوں کے بیچ گذارے ، بستی سے دُور اور ڈوبو مٹی کے ادھر اس کلرا ٹھی زمین پر سکڑتی ہوئی جھیل کنارے ۔۔۔ اُن دونوں کا آگا پیچھا کوئی نہ تھا اور اسی لئے پاروشنی کے گھر کے باہر کھڑے ہو کر کسی نے اونچی آواز میں یہ نہ پُوچھا تھا کہ اس گھر میں اب ہمیں کون کھانے کو دے گا ۔ کون پانی پلائے گا اور کون جھاڑو دے گا ۔۔ ورچن خود ہی میل لے کر آیا جس میں بستی کے سارے مرد تھے اور ادھر پاروشنی اپنے ویہڑے کے چھپر تلے بیٹھی تھی اور آس پاس بستی کی عورتیں دیئے جلاتی تھیں ۔

ایک لڑکی آٹے سے بھری پرات لے کر آئی تھی اور آٹے پر دو سیپیاں رکھی ہوئی تھی ۔۔۔ یہ سیپیاں گھاگھرا کی تھیں اور اُنہیں پاروشنی نے واپس دریا میں ڈالنا تھا پر ابھی وُہ اُس کی مٹھی میں تھیں ۔۔۔ ابھی جب وہ کلرا ٹھی زمین پر تھی اور اس کے ساتھ ورچن گہرے گہرے اور جیسے اُکھڑے ہوئے سانس لیتا تھا ۔۔۔ پھر چار عورتیں اُس کے سامنے آکر بیٹھ گئیں اور اُسے اپنے تنگے پیٹ دکھائے جو کنوار پن کے نرم آٹے کی طرح لچکیلے نہ تھے بلکہ اُن پر پھیل کر پھر سکڑنے

کے وہ نشان تھے جو بچے جننے والیوں کے پیٹ پر ہوتے ہیں ۔۔۔ پاروشنی نے ہر عورت کے اِن نشانوں کو باری باری اُنگلیوں سے چُھوا تاکہ کل کو اُس کا پیٹ بھی ایسا ہی ہو ۔۔۔

پھر وُہ اٹھے اور باہر آئے اور تب لوگ زمین پر سے ڈھیمیں اُٹھا کر ہنستے ہوئے اُن پر پھینکنے لگے اور وُہ بھی مسکراتے اپنے آپ کو بچاتے بستی سے بھاگتے ہوئے نکلے ۔ زیبو بیلوں ، چیوا کے چھپر اور ڈوبو مٹی ۔۔۔ کے آس پاس سے ہوتے ہوئے وہ یہاں تک آئے اور یہاں پہلے پاروشنی نے اُسے اپنے سامنے بٹھایا اور اُس کے گُن گنوائے ۔۔۔

"میرا جُثہ تمہارے خیال میں ایسا تیرتا ہے
جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے ۔۔۔
اور تم مجھے چُھوتے ہو تو میں ایسے تھراتی ہوں
جیسے نیچے جھیل کی تہہ میں مچھلی کنول کے ڈنٹھل کے ساتھ کھے کر گزرتی ہو تو ۔۔۔ اُوپر پانی کی سطح کے اُوپر تیرنے والا کنول ہولے سے تھراتا ہے ۔
اور تم نے آنا تھا تو کلائیوں میں ۔
میری چُوڑیاں تنگ ہوگئیں ۔۔۔"

پاروشنی چُپ ہوئی تو ورچن بولا ۔

"جب تم آتی ہو تو ۔۔۔
تمہارے بالوں میں سجے پُھولوں کے پیچھے شہد کی مکھیاں آتی ہیں اور میں انہیں دیکھ کر جان جاتا ہوں کہ تم آتی ہو ۔ اور تمہارے کانوں کی بالیاں اندھیرے میں بجلی کی طرح چمکتی تھیں اور تمہارے گنگھریالے بال تمہاری پیٹھ پر آوارہ تھے ۔
تم بہت دھیرے سے چوری چُھپے ایسے میرے پاس آئیں جیسے ٹیلے سے مور اُترتا ہے ۔
تم باس کی طرح آتی ہو اور میرے پاس تمہارے سانس زیادہ تیز اور گہرے چلتے ہیں اور تمہارا بدن گیلا ہوتا ہے ۔
اور جب تم واپس جاتی ہو تو تمہارا مہاندرہ پہلے سے بدل جاتا ہے ۔۔۔
تو لوگ تمہیں کس طرح پہچانتے ہیں ؟
پر آج تم واپس نہیں جاؤ گی ۔"

اُدھر رُکھوں کی چُپ میں اور پورے چاند میں ورچن بات کرتا تھا اور ادھر پاروشنی سمرو کا سوچتی تھی ۔ وُہ ہوتا تو کیا کہتا ۔۔۔ اور بہت بعد میں ورچن نے اُسے بتایا تھا کہ اُس رات

جھیل کے پاس رُکھوں کے بیچ اُس کے بیچ جانے سے پہلے اُس نے جو کہا تھا وُہ سمرو کا کہا ہوا تھا جو اُس نے اُسے دیا تھا کہ لے یہ تو کہہ لینا ۔

"اپنے پہناوے کو کھول دو

تاکہ تمہارے چاند ایسے ماتھے پر جو پسینہ ہے وُہ ختم ہو ۔ ۔"

اور اُس نے ایسا ہی کیا اور پھر اُسے معلوم نہ تھا کہ کس طرح اپنے آپ کو اُس سے چُھپائے اور وُہ اُس کی پیٹھ پر اور سینے پر گرم لُو ایسے سانس لیتا تھا جو اُسے پگھلاتے تھے ۔ پھر اُس نے ایک سیاہ پیتو نے سانپ کو دیکھا جو کھڑا تھا اور اُس نے اُس کا سانس پی لیا ۔ ۔ ۔ رُکھوں میں صرف بھینسے کا گرم سانس لُو کی طرح چلتا تھا اور اُسے راکھ کرتا تھا ۔

"تُو کدھر ہے ؟" ورچن چڑھتے سانسوں میں مشکل سے بولا

"اِدھر ہوں ۔ ۔ ۔" پاروشنی برابر کے سانس میں تھی ۔

"نہیں ۔ ۔" ورچن اٹھ کر بیٹھ گیا ۔ ۔ ۔

پاروشنی کلّر اٹھی زمین پر ایسے پڑی تھی جیسے پتّوں اور ٹہنیوں والا ایک سرسبز رُکھ وہاں گرا پڑا ہو ۔

"پکلی نے تیرے بدن کو ایک رُکھ تو بنا دیا پر میں اس میں جان نہیں ڈال سکا ، یہ تو مری ہوئی مچھلی کی طرح ہے ۔ ہے تو مچھلی پر اوندھی ہو کر پانی پر تیرتی ہے ۔"

پاروشنی کا ماتھا یکدم پسینے سے بھیگتا گیا "تُو یہ کیسے کہتا ہے ؟"

"مرد جانتا ہے کہ کب وُہ عورت کو اتنا پانی دیتا ہے کہ وُہ اُسی میں تیرتی ہے اور کب اتنا کم کہ اُس کے گلپھڑے پُھولتے ہیں اور وہ اوندھی ہونے لگتی ہے ۔ اس میں دونوں میں سے کوئی ایک چور ہوتا ہے جو پانی کے آگے بند بناتا جاتا ہے تب ایسا ہوتا ہے اور میں یہ جانتا ہوں کہ کم سے کم میں نے ایسا نہیں کیا ۔ ۔ ۔"

پاروشنی کروٹ بدل کر اُدھر کو دیکھنے لگی جدھر کو رُکھوں میں رستہ جاتا تھا اور جہاں سے ورچن آیا تھا اور جہاں وُہ بھینسا تھا ۔ ۔ ۔ ہاں سمرو ورچن سے آگے تھا اور ورچن نے جان لیا تھا پر اب کیا ہو سکتا تھا ۔ ۔ کوئی پکھیرو اُوپر سے اُس کی تنگی پیٹھ پر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا ۔ اُس جیسے وہاں پہلے بھی بہت تھے ۔ ۔ ۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی ۔ ورچن نے کلّر اٹھی زمین پر لیٹے اُسے اپنے اوپر چھاؤں کرتے دیکھا جیسے گرا ہوا رُکھ سیدھا کھڑا ہو گیا ہو ۔ ۔ ۔ وہ پکلی کے بنائے بیل بوٹوں کو اُس کے بدن پر پھیلتے دیکھتا تھا اور گُم ہوتا تھا اور یہ بُوٹے یُوں بھی پسینے میں بھیگتے تھے اور اب

چاند کی لَو میں ظاہر ہوتے تھے ۔

"سمرو کا خیال تیرے اندر ہے اور تیرے پانی کو روکتا ہے ۔" ورچن کہتا تھا "میں جانتا ہوں ۔۔"

اور تب ورچن کے چہرے پر جو چھاؤں تھی وُہ پرے ہوئی اور پاروشنی پرے ہوتی ہوتی رُکھوں کے اندر چلی گئی ۔ وہاں بانجھ عورتوں کے رُکھ نے اُسے روکا نہیں کیونکہ وُہ جانتی تھی کہ اُس کا بیج ٹھہرے گا اور وُہ چلتی گئی ۔ اس کے اوپر پتّوں کے گھنے جُھرمٹ میں کوئی ہنسا اور وُہ ٹھٹک گئی ۔ اُوپر اُن پتّوں میں ماسا کا بے دانت چہرہ تھا جو پوپلا ہو ہو کر ہنستا تھا ۔

"تو چلی آئی پاروشنی ۔۔ پر کیوں ۔۔۔ پر کیوں ۔۔۔ مجھے رکھوں میں جو ہوتا ہے اُس کا پتہ ہے اور مجھے وُہ بھی پتہ ہے جو تیرے اندر ہوتا ہے ۔۔۔"

"مامن ماسا ۔۔۔" پاروشنی نے سینے پر ہاتھ رکھا ۔۔۔ "تم ادھر کیا کر رہے ہو ؟"

"میں ؟" ماسا ہنسا "میں تم سے پوچھتا ہوں تم ادھر کیا کر رہی ہو ۔۔۔ جانتی نہیں میں ادھر ہی ہوتا ہوں ۔۔۔ رُکھوں کے اندر ۔۔۔ تیرے ویاہ پر گیا تھا میل کے ساتھ اور پھر لوٹ آیا ۔۔۔ آجا اوپر آنا ہے تو آجا ۔۔۔"

"نہیں مامن ۔۔۔"

پاروشنی کا پنڈا اب اُس ٹھنڈ کو محسوس کرنے لگا جو ہوا میں تھی پر جو اُسے ابھی تک لگی نہیں تھی کیونکہ وہ گرم تھی ۔۔۔ پر اب وہ چولہے کی راکھ کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی ۔ اُس نے ہتھیلیوں سے اپنی چھاتیوں کو مسلا جو اب پہلے سے کم ہو چکی تھیں ۔

"مامن تم ادھر کیوں رہتے ہو ؟"

"تم بستی میں کیوں رہتی ہو ؟ ۔۔۔" ماسا پھر ہنسا ۔

"وہاں پانی ہے گھاگھرا ہے اس لئے ۔۔۔"

"اور اگر وہاں پانی نہ ہو گھاگھرا نہ ہو تو ؟" ماسا ایک چپ سرگوشی میں بولا "پھر کہاں رہو گی ؟"

ماسا کیا کہتا ہے کہ گھاگھرا نہ ہو تو ۔۔۔ کیوں نہ ہو ۔۔۔ جیسے آسمان ہے ویسے گھاگھرا ہے اُس نے کہاں جانا ہے ؟

"میں ہمیش بستی میں رہوں گی مامن ۔۔۔ ہمیش ۔۔۔ تمہیں پتہ ہے میں کب سے یہاں ہوں ؟ ۔۔۔ ہمیشہ سے ۔۔۔ اور میں رہوں گی"

وہ چلنے لگی تو ماسا اُس کے سامنے والے رُکھ سے نیچے آگیا اور اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا"

لے میں تیرا مامن ہوں ۔۔۔" پاروشنی اپنے آپ کو چپ کئے کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر وہ ماسا کے دُبلے سروٹ جسم سے چمٹ گئی اور اُس کی آنکھوں میں پانی تیرے ۔۔۔ "مامن تو جو جانتا ہے وہ مجھے بتادے ۔ مجھے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ سب کیا ہے ۔۔۔ کیوں ہے ۔۔۔ وہ اگر ہے تو کہاں ہے ۔۔۔ اور ہم کیوں ہیں مامن ۔۔۔ ہم کیا ہیں ؟"

"چُپ چُپ ۔۔۔" ماسا اُس کے ہونٹوں پر سُوکھی ہوئی ہتھیلی رکھ کر کہنے لگا "مت بول ۔۔۔ ہم اس لئے ہیں کہ ہمیں ہونا چاہئے ۔۔۔ وہ اگر ہے تو یہیں ہے ۔۔۔ بس اتنی سی بات ہے ۔۔۔ یہ رُکھ اور جنور بھی مجھ سے یہی پوچھتے ہیں اور میں اُن کو بھی یہی بتاتا ہوں ۔۔۔ سب کچھ یہیں رہتا ہے یہ رُکھ بھی جنور بھی اور پانی ، رُتیں اور ہم اور کھیتیاں بھی ۔۔۔ یہ سب مٹّی میں جاتا ہے اور پھر آجاتا ہے ۔ جاتا ہے اور پھر آجاتا ہے ۔۔۔ میں پتہ ہے رُکھوں میں کیوں آگیا تھا ؟ بس اسی لئے ۔۔۔ بس اسی لئے" ماسا یکدم پاروشنی سے الگ ہوا اور چھلانگیں لگاتا رُکھ کے اوپر جا بیٹھا ۔۔۔ "اب جا بھی ۔۔۔" اُس نے غصّے سے کہا ۔

پاروشنی رستہ جانتی تھی اور وہ اُس پر چلنے لگی ۔ وُہ گرے ہوئے رُکھوں کو پھلانگتی نہیں تھی اُن کے گرد ہو کر نکل جاتی تھی ۔ رُکھوں کا ذخیرہ ختم ہوا تو ڈوبو مٹّی شروع ہو گئی اور وہ یہاں ٹھٹکی ۔ چاند ڈھل رہا تھا اور یہاں رُکھوں کی اوٹ میں تھا ۔ اندھیرے میں کیا پتہ کہ پیر کہاں جا پڑے ۔ اُس نے ایسے لوگوں کو دیکھا تھا جو اُس کے سامنے صرف پیر ادھر اُدھر ہونے سے نرم ڈوبو مٹّی میں نیچے ہو گئے ، باہر نکلنے کے لے ہاتھ پاؤں مارے تو اور نیچے ہوئے ۔۔۔ پہلے ہنسے کہ یہ کھیل ہے کہ باہر نکلا نہیں جاتا اور جب گھٹنوں تک نیچے ہوئے تو پھر پسینے میں بھیگے کہ نہیں ایسا نہیں ہے یہ تو آخر ہے ۔ اور وہ اُس کی آنکھوں کے سامنے اوجھل ہوتے تھے اور ڈوبو مٹی اُنہیں نگلنے کے بعد ویسے ہی آرام سے پھیل جاتی تھی اور اُس پر پہلے کی طرح مچھر اور گُتی اُڑنے لگتی تھی اور کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کے نیچے کچھ ہے یا گیا ہے ۔۔۔

پاروشنی پیروں کو جما جما کر چلنے لگی ۔

پندرو شائد رُکھوں میں تھا یا شائد ریت کا طرف نکل گیا تھا ۔

وہ بستی کی اَور جانے کی بجائے پکلی کے آوے کی طرف نکلی ۔۔۔ بندہ کسی شے کے لئے ترستا ہے ۔ اُسے سوتے میں دیکھتا ہے جاگتے میں سوچتا ہے اور اُس کے بغیر سانس ٹھیک سے نہیں چلتا اور وہ جب مل جاتی ہے تو یہ ہوتا ہے جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ۔۔۔ سروٹوں کے

بیچ میں سے اور پھر بلند کناروں پر اور اُن کے نیچے اُترتے ہوئے وہ دیکھتی جاتی تھی کہ کب گھاگھرا کے پانی دکھائی دیں ۔۔۔ اور وُہ وہیں تھے جہاں ہوتے تھے اور ڈھلتی چاندنی میں مدھم سا اِشکارا دیتے تھے ۔۔۔ وہ پانی میں داخل ہوئی اور چلی اور چلتی گئی اور پانی اُس کی ٹانگوں کو گھیرتا کُولہوں تک آیا اور وہ چلتی گئی یہاں تک کہ اُس کے کانوں کے لوبس بھیگنے کو آئیں اور وُہ رُکی ۔۔۔ اب اُس کی آنکھیں پانی سے باہر تھیں اور سارا جُثہ گھاگھرا کا حصّہ تھا ۔ وُہ اپنے سامنے بچھی مدھم مدھم لشکتی چادر کو دیکھتی تھی جو اُس کا دریا تھا ۔۔۔ اُس کے پانیوں نے اُس کے جُثے سے سارا شک اور سارا دُکھ صاف کیا اور اُسے سُکھ دیا ۔۔۔ جُثے جُڑنے سے اکلاپے میں دراڑ نہیں پڑتی یہ وُہیں رہتا ہے جہاں ہوتا ہے اور یہ اُس وقت سے ہوتا ہے جب بیج پڑتا ہے پُھوٹتا ہے اور اُس میں دانہ پڑتا ہے اور وہ وُہیں رہتا ہے کہیں نہیں جاتا ۔۔۔ ہاں گھاگھرا کے پانی اس کا اپنا تھے ۔۔۔ اکلاپے کی کچّی دیواران کے سامنے گُھلتی تھی ، وُہ اسے صاف کرتے تھے اور سُکھ دیتے تھے ۔۔۔

چیتر کے پانی کم ہوتے ہیں پر اُن میں برفوں کا سِیت پالا ابھی ٹھہرا ہوتا ہے اور بدن اِس میں ٹھٹھرتا ہے اور پاروشنی ٹھٹھری ۔۔۔ اُس نے اپنا مہاندرہ کنارے کو کیا اور دھیرے دھیرے باہر آنے لگی ۔ نیم روشنائی میں دریا کا کنارہ اونچا ہوتا آسمان کو لگتا تھا اور نیم روشنائی میں اُس کے اوپر سمرو تھا ۔۔۔ ٹھیک طرح سے دیکھا تو نہیں جا سکتا تھا پر اُس نے جانا کہ وہ سمرو ہے ۔

اُس رُکھ کی کوکھ میں اُس رات دو پنکھیرو اُترے ۔

اور پھر رات کی چُپ تھی ۔ چیتر کی چاندنی پھیکی پڑ چکی تھی اور وہ دونوں بے سُدھ مُنہ کھولے ٹھنڈے اور تھکن سے ٹوٹتے سوتے تھے ۔ تب سمرو کے حلق نے پھر پانی مانگا وہ سوکھتا تھا ۔ وہ اپنی کُہنیوں کے سہارے اٹھا اور بیٹھ گیا ۔ پاروشنی بازوؤں میں مُنہ رکھے سوتی تھی ۔ سمرو کی ججھر اُس کے سرہانے دھری تھی ۔

کوئی کہتا کہ وہ آگ کا کام کرتا ہے ، دھاتیں ڈھالتا ہے اور مُہریں بناتا ہے ، پتھر کاٹتا ہے اور یُوں اُس کے بدن کا پانی سُوکھتا رہتا ہے اور کم ہوتا ہے ۔۔۔ اور پھر بدن پانی واپس مانگتا ہے ۔۔۔ اور کئی لوگ یوں سوچتے تھے کہ اُس کے جُثے میں بہت گرمی ہے جو کم نہیں ہوتی ، اُس پر پانی ڈالتے جاؤ تو دھیمی رہتی ہے نہیں تو اُسے جلاتی ہے اور اسی لئے سمرو کے پاس دن ہو یا رات ہو ایک ججھر پڑی رہتی تھی ۔۔۔ ہاں دن کو بھی اور رات کو بھی ۔۔۔ دن کو تو اُس کا ہاتھ ججھر کی گردن پر ہی جما رہتا اور رات کو وہ اٹھتا رہتا اور اپنے سُوکھتے گلے کو تر کرتا رہتا ۔۔۔

سوتے میں اُس کا گلا سُوکھتا اور اس طرح سُوکھتا جیسے سُوکھی لکڑی ہو جو ٹوٹتی ہو ۔ وہ اٹھتا اور جھجھر کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اُسے اٹھاتا اور اُس کا مُنہ اپنے ہونٹوں کے درمیان رکھ کر پانی اپنے اندر گراتا اور پھر لیٹ جاتا ۔۔۔ اُس کے مُنہ میں اور گلے میں ناگ پھنی کی کھیتیاں اُگتی تھیں اور وہ پانی سے ان کو ڈبوتا رہتا تھا۔

آج رات بھی اُسے پیاس لگتی تھی ویسے ہی جیسے لگتی تھی پر تھوڑی سی زیادہ کہ اُس کے جسّے کی کچھ کچھ نمی تو اُس پسینے میں بہہ گئی جو پاروشنی کے بیل بُوٹوں کو چمکاتا تھا ۔

سمرو نے جھجھر کے گلے کو پکڑا ۔

رات لیٹتے وقت وہ جھجھر کو مُنہ تک بھرتا اور پھر ساری رات اُس میں سے گھونٹ بھرتا رہتا اور اُسے معلوم ہوتا کہ اب جھجھر میں کتنا پانی باقی ہے ، کتنے گھونٹ رہ گئے ہیں ۔ وُہ جب بھی اُسے اُٹھاتا تو اُس کی اُنگلیوں کا ماس جھجھر کی ٹھنڈک سے مَس ہو کر بتاتا کہ اب پانی یہاں تک ہے ۔۔۔ جہاں تک پانی ہوتا وہیں تک جھجھر کی مٹی میں ٹھنڈک رہتی اور اُس کے اُوپر ویسی ہی جیسی کہ رات ہوتی ۔۔۔ کئی بار وہ جھجھر کی گولائی پر ہاتھ پھیرتا تاکہ کچھ نمی اُس کے اندر رجائے ۔

اُس رات جب پاروشنی بازوؤں میں مُنہ رکھے اوندھی سوتی تھی اور سمرو کا گلا پھر خشک ہوا اور اُس میں ناگ پھنی کی فصل اُگی اور اُس نے ہاتھ بڑھا کر جھجھر کے گلے کے گرد اُنگلیاں جمائیں تو اُسے کچھ ہوا ۔۔۔ کچھ شک ہوا ۔۔۔ ٹھنڈک وہاں سے تھوڑی سی نیچے تھی جہاں وہ پہلے تھی ۔۔۔ اُس کی ہتھیلی بتاتی تھی کہ لیٹتے وقت پانی یہاں تک تھا اور اب ۔۔۔ ذرا نیچے تھا ۔۔۔ اور اُس نے اُس میں سے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا ۔۔۔ جھجھر میں اتنا پانی نہیں تھا جتنا ہونا چاہئیے تھا ۔۔۔ تو پھر ۔۔۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا ۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنے سوکھے ہوئے گلے میں سے تھوک نگلی ۔۔۔ تو پھر۔۔۔

ڈور گا ڈوبو مٹّی پر قدم جما کر تو چلتا تھا پر دیکھ بھال کر نہ چلتا تھا ۔۔۔ اور اُس کے اندر کوئی ڈر کوئی وہم نہ تھا کہ ابھی اُس کے اگلے قدم پر زمین بیٹھتی جائے گی اور اُس کا پچھلا قدم اُٹھ کر آگے آئے گا اور وہ بھی اُس کے ساتھ مکّھن میں اُنگلی کی طرح دھنستا جائے گا ۔۔۔ نہ ۔۔۔ اُس کے اندر کوئی ڈر نہ تھا ۔ وہ میل کو جانتا تھا ۔۔۔ وہ جانتا تو صرف ایک کو ملنے کو تھا پر وہ اکیلا نہ جاتا تھا ۔ نہ نہ جاتا تھا ۔۔۔ یہاں وہ سب تھے جو آج تک بھٹے کی چار دیواری کے اندر پیدا ہوئے اور مر گئے ، نہ اُنہوں نے کبھی سند ھو دیکھا اور نہ گھاگھرا ۔۔۔ نہ کوئی ساک انگ دیکھا اور نہ کوئی سُکھ کا سانس ۔ وہ پیدا ہوئے تو بندے کا بیج تھے پر ہولے ہولے وہ جنوروں کے جائے بنتے گئے ۔ اینٹیں ڈھو ڈھو کر اُن کی کمر جھک گئی، اُن کی کھال سُکڑ گئی اور سارے جُثّے پر سے جنوروں اور پشوؤں ایسے بال لٹکتے تھے اور جب کبھی اُن جنوروں میں سے کوئی ایک اپنے بُھوکے پیٹ اور باہر لٹکتی زبان کے ساتھ اپنے جھکے ہوئے جُثّے پر مالک کی مار کھاتا تھا تو اندر سے یہی کہتا تھا کہ میں آخر کو تم سے ملنے آؤں گا ۔۔۔ میں تم سے میل کروں گا ، پر ایسا کہاں ہوتا ؟ بھلا مالک میل کرنے دیتا ہے ۔ جس کے ہاتھوں میں اَن پانی اور چھاؤں چھپّر ہوں اور موہنجو میں حویلیاں ہوں اور وہاں اُس کے کنک سے گودام بھرے ہوں اور اُس کے کامے پاؤں تلے اپنے جُثّے بچھاتے ہوں تو وہ میل کرنے دیتا ہے ۔۔۔ پر جب کبھی اُن میں سے کوئی مشقّت کرتا کرتا خون تھوکتا اور ٹھنڈا ہو جاتا تو وہ آنکھیں مردہ ہونے سے پہلے یہی کہتا کہ میں میل کو آؤں گا ۔۔۔ اور جب کبھی کسی کی کوکھ میں سے نکلا ہوا اُس کے سامنے اکڑتا اور بے جان ہوتا اور اُسے اٹھا کر چار دیواری سے باہر پھینک دیا جاتا کہ بس یہی ایک راستہ تھا باہر جانے کا تو وہ بھی یہی کہتی کہ میں میل کو آؤں گی ۔۔۔ تو ڈور گا اکیلا ملنے کو نہ جاتا تھا وہ سب اُس کے ساتھ جاتے تھے ۔

ڈوبو مٹّی کے خاتمے پر جب اُس نے رکھوں کی سیاہی کے اندر پاؤں رکھا تو وہ مسکرایا ، تم یہاں ہو میں جانتا ہوں ۔ میں تم سے میل کرنے آیا ہوں ۔ تم وہاں ہو سند ھو کے کنارے اُس

بھٹے کی چار دیواری کے اندر پر یہاں بھی ہو اِن رُکھوں کے اندر ۔۔۔ تم جہاں بھی ہو میں میل کرنے آیا ہوں ۔ ڈور گا بے دھڑک اندھیرے میں چلتا تھا جیسے دیکھتا ہو اور وہ دیکھتا تھا ۔ چار دیواری کے باہر آکر اُس نے بہت کچھ دیکھا جو پہلے نہ دیکھا تھا اور اب دیکھتا تھا اور اب رکھوں میں بھی دیکھتا تھا ۔

دیکھو ، میرے باوا میرے بڑے نے کہا کہ کبھی نہ کبھی میں میل کو آؤں گا پھر اُس کے بڑے نے بھی یہی کہا تھا اور اُس کے بڑے نے بھی ۔۔۔ سب یہ کہتے رہے اور مرتے رہے ۔ میں اکیلا نہیں آیا اُن کو ساتھ لایا ہوں ۔ وہ سب یہاں ہیں جو دھیرے دھیرے کُڑھتے رہے اور مرتے رہے ، جنہیں جنور بنایا گیا ۔۔۔ ڈور گا کے پاؤں تلے پتے چرمراتے اور رکھوں کی خاموشی میں اُن کی آواز دُور تک ٹوٹتی جاتی ۔

دیکھو جب میں اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا اور میری ماں نے خود اُس ڈوری کو کاٹا جس کے ساتھ میں اُس سے بندھا تھا تو اُس نے مجھے اُس آگ کے پاس لٹایا جس میں وہ لکڑی ڈالتی تھی اور میں اُس آگ کی گرمی میں سوکھتا تھا ۔ میری ماں نے مجھے جنا ، ایک طرف رکھا اور پھر کام میں جُت گئی کیونکہ اب اُس کا پیٹ خالی تھا اور خالی پیٹ کے لیے اَن چاہیے تھا جو تمہارے ہاتھ میں تھا ۔

دیکھو ، موہنجو کے بچے مٹّی کی جِن بیل گاڑیوں ، گُلہریوں اور اندھے بندروں کے ساتھ کھیلتے تھے اُن کو بھٹے کی آگ میں مَیں پکاتا تھا پر میں صرف پکاتا تھا ، کھیلتے وہ تھے ۔۔۔ میں بھی بچہ تھا اُس سمے پر میرا کام اُن کھلونوں کو پکانا اور ان کا کام کھیلنا ۔۔۔ میں کاما تھا اور وہ کھیلنے والے ۔۔۔ اور کھیلنے والے کون لوگ تھے ؟ میرے اپنے رنگ ڈھنگ کے یا اُوپر سے اُترنے والے اسوا پر بیٹھے اونچی ناک والے ؟ ۔۔۔ اس سے مجھے کیا فرق پڑتا تھا ۔۔۔ کچھ بھی نہیں ۔۔۔ میرے لئے تو رُتیں ساری کی ساری پسینے کی رُتیں تھیں ۔ میری ماں کے اندر کس کا بیج ٹھہرا تھا یہ نہ میں جانتا ہوں اور نہ جاننے کا مجھے کوئی چاؤ ہے ۔ اُن بہت سارے جُھکے ہوئے بندوں میں سے کوئی ایک ہو گا ۔ مجھے تو اچنبھا اس بات پر ہے کہ وہ دونوں مجھے بنانے کو آپس میں کس طرح مل بیٹھے ۔ اُن کو ملنے کیسے دیا گیا ۔۔۔ میں نے تو لوگوں کو چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے اور ہنستے مسکراتے اُس روز دیکھا جب میں چار دیواری سے باہر آیا ۔ اس سے پہلے میرے لئے سب لوگ جھکے ہوئے ہوتے تھے اور کام کاج میں نچڑتے ہوئے بس ۔۔۔ جب رات پڑتی اور اینٹیں دکھائی نہ دیتیں تو یہ سب اَن اندر ڈال کر بے سُدھ پڑتے اور سویرے منہ اندھیرے